محمد عمر فاروق

لہو کی پکار

غریب ہونا جرم نہیں لیکن غربت کی سزا بڑی کڑی ہوتی ہے۔ جہاں دولت اور جاگیر کے بل بوتے پر وحشت و درندگی کے ناٹک کھیلے جاتے ہوں، وہاں غربت اور شرافت ناکردہ گناہوں میں شمار ہوتے ہیں۔ سفاک درندوں کے جبر وقہر کے آگے عزت وعصمت کا تقدس خاک میں مل جانا جہاں روز کا معمول ہو اور انسان کی زندگی کتے سے بھی بدتر سمجھی جاتی ہو، وہاں رحم اور خدا خوفی اپنے معنی ومفہوم کھودیتے ہیں۔ خدا کی زمین پر خدائی کے دعویدار فرعونوں اور نمرودوں کو جب کوئی بااختیار قوت کھل کھیلنے سے نہ روکے تو پھر نہ مخلوق خدا کی زندگی محفوظ رہتی ہے اور نہ ہی ان کی عزتیں پامال ہونے سے بچ سکتی ہیں۔ جاگیردارانہ مظالم کی زندہ مثالیں سندھ کے ہاریوں اور سرائیکی بیلٹ کے مظلوم خاندانوں، بلوچی وسرحدی سرداروں اور خوانین کے ستم رسیدہ کسانوں اور پنجابی وڈیروں کے پشتینی خدمت گزاروں کی صورت میں دیکھی جاسکتی ہیں

دوسری طرف غربت کے جرم میں غریبوں کی زندگیاں علاقائی سیاسی جتھے بازوں کے جوتوں کے تسمے کے ساتھ بندھی ہوئی ہیں۔ غریبوں کے بے جان جسموں پر سیاست کی دوکان چمکانے والے ظالم سیاستدانوں نے اپنے پالتوؤں کے ذریعے سے غریبوں کی عزت وناموس پامال کرنے کو پیشہ بنا رکھا ہے۔ غریب جائے تو کہاں جائے؟ وہ مصائب بھرے ماحول میں آنکھ کھولتا ہے۔ جیتا ہے تو دکھ جھیلتا ہے اور مرتا ہے تو عذابوں کے پہاڑ اس کی نسلوں کی پشت پر لد جاتے ہیں۔ ستم زدگان کی روح فرسا داستانیں روز اخبارات کی زینت بنتی ہیں۔ مگر مجال ہے کہ حکومتی اہلکاروں کے جذبات ان سے متاثر ہو پائیں۔ جذبات تب ہی اثر قبول کرتے ہیں کہ جب سینے میں انسانی ہمدردی کا کوئی گوشہ موجود ہو۔ لیکن بے حسی اور لاپروائی نے ارباب اختیار کے دلوں کو پتھر سے بھی کہیں زیادہ سخت کرڈالا ہے اور پتھر کبھی احساس کی صلاحیت سے بہرہ ور نہیں ہوا کرتے۔ الٹا وہ تکلیف و آزار کا باعث ہی بنا کرتے ہیں۔ کبھی سنگ باری کی شکل میں اور کبھی سنگ گراں کی صورت میں۔

ضلع شیخوپورہ کے ایک گاؤں کی سولہ سالہ حافظ قرآن بچی عاصمہ، جس نے عزت بچانے کے لیے اپنے آپ کو بلاک کرڈالا۔ اس کی دردناک کہانی روزنامہ ''پاکستان'' کے صفحات پر تفصیلاً شائع ہوئی ہے۔ جس کے مطابق حافظہ عاصمہ رفیق آٹھویں جماعت کی طالبہ تھی۔ اس کا والد کینسر میں مبتلا ہوکر لاہور کے ایک ہسپتال میں داخل تھا۔ اور وہ گھر میں تنہا تھی۔ کہ گاؤں کا ایک بدمعاش گھر میں گھس آیا اور اس معصومہ کی عزت لوٹنے کی کوشش کی۔ لیکن اس باغیرت وباحیا بچی نے کوئی راہ نہ پاکر اپنے آپ کو آگ لگالی۔ انتہائی تشویشناک حالت میں اسے الائیڈ ہسپتال فیصل آباد لایا گیا۔ جہاں اس کی غربت

اور مجرموں کا اثر ورسوخ آڑے آیا۔ وہ ڈاکٹروں کی بے توجہی اور مناسب علاج معالجہ اور مناسب غذا نہ ملنے سے موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہوگئی۔ ۱۷۔ فروری ۲۰۰۱ء کو عاصمہ نے ایک خط کے ذریعے جنرل پرویز مشرف اور چیف جسٹس سمیت تمام اعلیٰ حکومتی شخصیات سے انصاف کی اپیل کی، مگر لا حاصل؟ آخر ۲۰ فروری ۲۰۰۱ء کو انصاف کا راستہ تکتے تکتے اس نے جان کی بازی ہار دی۔ بعدازاں اس واقعہ پر کینیڈا میں مقیم ایک دردمند پاکستانی نے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے نام ایک خط لکھا، جس پر چیف جسٹس نے از خود کارروائی کرتے ہوئے غفلت کے مرتکب حکام کے خلاف کارروائی کا حکم جاری کر دیا ہے۔ جبکہ ایڈووکیٹ جنرل پنجاب سے ذاتی طور پر عدالت میں حاضر ہونے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ ایس پی شیخوپورہ سے یہ جواب طلب کیا ہے کہ مرحومہ کی عزت پر حملہ آور ہونے والے ملزم کے خلاف اب تک کیا کارروائی کی گئی ہے؟ عدالت کا بے آسرا بچی کی ہلاکت پر از خود نوٹس لینا انتہائی قابل داد قدم ہے۔ اور متعلقہ حکام سے جواب طلب کرنا ہر لحاظ سے بجا ہے۔ کیونکہ اگر مقامی عملہ اپنے فرائض ٹھیک ٹھیک اداء کرتا تو ملزم ضرور اپنی سزا کو پہنچتے۔ اور اگر ڈاکٹر انسانیت کے ناطے علاج سے غفلت نہ برتتے تو ایک قیمتی جان کے بچ جانے کی امید کی جاسکتی تھی۔ لیکن یہاں کون سا شعبہ، زندگی ایسا ہے کہ جس کے متعلق یقین کیا جا سکے کہ وہ کسی اصول وضابطے کے تحت چل رہا ہے۔ کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام پیسے اور سفارش کے بغیر ہونا ممکن ہی نہیں ہے اور پھر سب سے بڑھ کر انسانی جان کا مسئلہ انتہائی خودغرضی اور مادی خواہشات کے شکنجے میں اس بری طرح آچکا ہے کہ اب انسانی حقوق کی پاسدار پولیس کا محکمہ، انصاف مہیا کرنے کی ذمہ دار عدالتیں ہوں یا جان و مال کے تحفظ کی ذمہ دار حکومتیں، کہیں بھی غریب (انسان) کی شنوائی ممکن ہی کہاں ہے۔ جہاں دھن دولت معبود کا درجہ اختیار کرلیں اور اختیارات کی لامحدودیت بے گناہوں پر دن رات کوڑے کی طرح برستی ہو۔ وہاں امتیازی تفریق کے خاتمے اور عدل وانصاف کی توقع کوئی فاتر العقل ہی کرسکتا ہے۔

حافظہ عاصمہ مرحومہ کا خون بے گناہی پکار پکار کر اس انسانیت کے قاتل اور مجرم نظام کی بہیمیت کی گواہی دے رہا ہے۔ اے کاش کہ ہمارے حکمران جو عبوری آئین کے ذریعے اپنے شخصی اختیارات بڑھانے میں مصروف ہیں۔ وہ بھی اپنے اختیارات کا رخ عوام کو کچلنے کی بجائے ملکی اداروں کی اصلاح کی جانب کرلیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر کسی بیٹی کو اپنی عزت کی حفاظت کے لیے خودسوزی کی ضرورت پیش آئے گی۔ اور نہ ہی کوئی بدمعاش کسی حوا زادی کو میلی نظروں سے دیکھ سکے گا۔ بخدا خلق کی آواز پر کان دھرنے والے حکمران جسموں پر ہی نہیں دلوں پر بھی حکمرانی کرتے ہیں اور جو دلوں میں نہ اتر سکیں، انہیں دھرتی بھی پناہ نہیں دیتی۔ شہنشاہ ایران اور سکندر مرزا کی وطن بدری اور دربدری ابھی کل ہی کی بات ہے۔

''عبرت پکڑو، اگر تم آنکھیں رکھتے ہو'' (القرآن)